فاضل مرتب کے بھائی مولوی محمد نصیر الدین صاحب علوی ایم اے ایل ایل بی مرحوم علیگڈھ میں منصف تھے۔ لیکن اُن کا ادبی اور شعری ذوق اتنا پختہ تھا کہ سرکاری ملازمت کے گوناگوں اور بعض اوقات غیر دلچسپ مشاغل کے باوجود اکثر و بیشتر شعر کہتے تھے اور خوب کہتے تھے، وہ بلند اور پاکیزہ و لطیف مذاقِ شعری رکھتے تھے۔ سخن سنجی کے ساتھ اُن کو سخن فہمی میں بھی کمال تھا۔ زیرِ تبصرہ کتاب موصوف مرحوم کے ہی کلام کا مجموعہ ہے۔ اس میں آپ کی اُردو فارسی غزلیں اور بعض نظمیں اور قطعات درج ہیں۔ شروع میں خود جنابِ مرتب، رشید احمد صاحب صدیقی علیگ اور بعض اور حضرات کے مختصر دیباچے ہیں، ایک دو تعزیت نامے بھی ان کے ساتھ منسلک کر دیے گئے ہیں۔ بہ قول جنابِ جگر مرادآبادی کے نصیر صاحب نے شعرگوئی کو اپنا پیشہ یا فن نہیں بنایا تھا۔ اس لیے اُن کے کلام میں محاسن و خصوصیات کے ساتھ ساتھ چند کمزوریاں بھی پائی جاتی ہیں۔ تاہم موجودہ کتاب اُردو لٹریچر میں ایک اضافہ ہے۔ اور مجموعی حیثیت سے اس قابل ہے کہ اربابِ ذوق اس کا مطالعہ کریں۔

دستور الاصلاح از مولانا سیماب اکبرآبادی۔ تقطیع $\frac{۲۲ \times ۲۹}{۱۶}$ ضخامت ۱۴۳ صفحات۔ طباعت و کتابت بہتر۔ قیمت عہ، پتہ :- قصر الادب دفتر رسالہ شاعر آگرہ۔

قدیم زمانہ شعر و شاعری میں یہ قاعدہ تھا کہ جو لوگ شعر کہتے تھے وہ کسی نہ کسی مشہور شاعر کو اپنا اُستاد بنا لیتے تھے اور اُس سے اپنے کلام پر اصلاح لیتے تھے۔ لیکن آج کل جہاں اور پُرانی چیزیں مٹتی جا رہی ہیں، یہ رسم بھی روز بروز مفقود ہوتی جاتی ہے۔ آج کل کے عام نوجوان شعراء کا خیال یہ ہے کہ شاعری میں اُستادی شاگردی کوئی معنی ہی نہیں رکھتی۔ ہمارے نزدیک ایک حد تک یہ خیال ضرور درست ہے۔ لیکن ابتداءً جس طرح مضمون نگاری میں اُستاد کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح ہر شاعری کے مبتدی کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی ایک پختہ مشق اُستادِ سخن سے وابستہ ہو جائے، تاکہ اُس کی طبیعت کی جولانیاں غلط راستہ پر پڑ کر بخنگی کی صورت اختیار نہ کرنے پائیں۔ ورنہ پھر "تا ثریا می رود دیوار کج" کی مثل صادق آنے لگتی ہے۔

مولانا سیماب اکبرآبادی اُردو کے کہنہ مشق اُستاد سخن اور عالم فن ہیں۔ آپ کے شاگردوں کا حلقہ بھی بہت وسیع ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب میں آپ نے اصلاح شعر کے قواعد سے بحث کی ہے۔ اس سلسلہ میں پہلے آپ نے موجودہ دور کے شعراء کو تین قسموں پر تقسیم کر کے شاعری کی اہمیت بیان کی ہے اور ضمناً "آگرہ اسکول" کا بھی ذکر کیا ہے۔ پھر ایک باب میں یہ بتایا ہے کہ اصلاح کلام سے پہلے زبان، سیرت، خیالات کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ برسبیلِ ذکر آج کل کے مروجہ مشاعروں پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال دی گئی ہے۔ اس کے بعد مجلسی اور اجتماعی اصلاح کے لیے کچھ مفید مشورے دیے گئے ہیں۔ پھر اصلاح لینے اور اصلاح دینے کا بیان ہے۔ اس کے بعد شعراءِ متقدمین یعنی میر، مصحفی، ناسخ، آتش، مومن، غالب اور امیر لکھنوی اور شعراء متاخرین یعنی امیر مینائی، داغ، جلال اور تسلیم وغیرہم کے طریقہائے اصلاح اور اُن کی اصلاحوں کے نمونوں کا بیان ہے۔ پھر عہد حاضر کے شعراء کی اصلاح کے تذکرے ہیں۔ اسی سلسلہ میں چند اصلاحوں کا مقابلہ وموازنہ بھی کیا گیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ مولانا سیماب ہر اُستادِ قدیم وجدید کی اصلاح پر اپنا ریمارک بھی کرتے چلے گئے ہیں۔ لیکن سچ یہ ہے، جیسا کہ اُنہوں نے خود لکھا ہے "شاعری الہام ہے اور الہام کی لامحدود قوتوں کا استقصاء انسانی قوت سے بالا ہے" اس بناء پر کسی اصلاح کو بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سب سے بہتر اصلاح ہے۔ مثلاً ص ۱۲۳ پر شوق سندیلوی کی ایک غزل پر متعدد اساتذہ کی اصلاح کا بیان ہے۔ اس غزل کا پہلا شعر یہ ہے:-

ہماری خاک جو آوارہ کوئے یار میں ہے ۔۔۔ مزاجِ موجِ ہوا طرفہ انتشار میں ہے

چھ اساتذہ کی اصلاح کا ذکر کرنے کے بعد مولانا نے اپنی اصلاح یہ لکھی ہے:-

ہماری خاک جو آوارہ کوئے یار میں ہے ۔۔۔ تو موج موجِ ہوا کی اک انتشار میں ہے

ہمیں شاعری کا ادعا نہیں لیکن یوں ہی سرسری طور پر اس شعر کو پڑھ کر ہمارے ذہن میں جو اصلاح آئی ہے وہ یہ ہے۔ ممکن ہے کہ کسی قابل ہو:-

ہماری خاک پریشاں جو کوئے یار میں ہے قدم قدم پہ ہوا کیسے انتشار میں ہے

آخر کتاب میں شاگردوں کی طویل فہرست ہے۔ کتاب اپنے طرز کی ایک ہے۔ شعر و شاعری کا ذوق رکھنے والے اصحاب کے لیے اس کا مطالعہ مفید اور دلچسپ ہوگا، اور تنقید کا فن سیکھنے میں بڑی مدد ملیگی۔

نازو اور دوسرے افسانے تصنیف: اختر انصاری بی اے (آنرز)۔ ناشر: مکتبہ جہاں نما، اُردو بازار دہلی۔ قیمت مجلد عہ، کاغذ، کتابت اور طباعت عمدہ۔ جلد پر خوبصورت گردپوش۔

یہ کتاب اختر صاحب کے چودہ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ جو "ادب برائے زندگی" کے نقطۂ نظر سے مختلف احساسی تحریکات پر لکھے گئے ہیں۔ ان میں دنیاوی تعلقات کو صرف فنّی احتیاج کے لیے یا بطور چاشنی استعمال کیا گیا ہے، ورنہ یہ افسانے زیادہ تر تخیّلی حسیات کی مصوری، نفسیاتی اثرات کی نقاشی اور دماغی کیفیات کی رنگ آفرینی پر مبنی ہیں! اختر صاحب اُردو افسانہ نگاری میں ایک خاص طرز کے مالک ہیں۔ ان کے اس مجموعہ کا ہر افسانہ ایک نشتر ہے، جو تیزی کے ساتھ چبھتا ہے اور جس کی چبھن مذاق سلیم کے لیے نفسی تلذذ کا باعث ہوتی ہے۔ ان کے افسانوی عالم کا پس منظر یا مرکزی خیال سماج کا کوئی ایک یا چند مخصوص تخریبی پہلو نہیں ہیں بلکہ وہ زندگی کے ہر اُس قدم کا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہیں، جس میں اُنھیں کوئی دردانگیز احساس ملتا ہے۔ اختصار، افسانہ کی بہت بڑی خوبی ہے اور اختر صاحب کے افسانوں میں یہ چیز بدرجۂ اکمل موجود ہے لیکن "ماجرا" کی تعبیر سے ان کا اجتناب و گریز اس قدر شدید ہوتا ہے کہ اس کی بدولت ان کی اختصار پسندی میں کہیں کہیں مبالغہ کی جھلک پیدا ہو جاتی ہے اور پھر یہ جھلک وعظیت کی گرانی اور پراپیگنڈے کی تلخی کو نمایاں ہونے میں مدد دیتی ہے۔ تاہم زبان، اسلوبِ بیان، ترتیب خیالات، اظہارِ جذبات اور اشاراتی کردار نگاری کے لحاظ سے ان کے افسانے اتنی کثیر خوبیوں کے حامل ہیں کہ اُن میں ماجرے کے فقدان کا عیب بھی ایک طرح کی "ضرورت" اور فنکارانہ جدت و ندرت نظر آتا ہے! — بعض جگہ ان کے قلم کی گردشیں اتنے باریک اور نکاتی نقوش پیدا کر جاتی ہیں کہ ایک متوسط درجہ کی علمی قابلیت رکھنے والے کے لیے بھی ان کے سمجھنے میں لغت نفسیات سے استمداد کی ضرورت